OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com



# خطاباتِ الٰہیہ کے فصاحتی اور بلاغتی پہلو

# Eloquent and Rhetorical Aspects of Divine Addresses

Nazia Salim Tahir
*Doctoral Candidate Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore*
Dr. Farhat Aziz
*Associate Professor, Department of Islamic Studies, Govt. Graduate College for Women, Wahdat Colony, Lahore*

## Abstract

This study conducted on the Qur'an's expressional dimension aiming to show that the Qur'an is a linguistic miracle based on its precision to expression. Qur'an from beginning to end, linguistically and rhetorically, their inspiring words, way of delivering message to the people, rhythm, images, explanations with examples, and also with an intensity proves that no one on world could have able to produce or even approach, like that way because it's a Divine Book. Yet despite this linguistic newness it also preserved the foundations of Arabic language and was eminently comprehensible to the people who heard it. Indeed, not only did they understand its concept but it acts as healer for the broken hearts due to its linguistic uniqueness and many of them unspeakably impressed by it. The newness of the Qur'an which manifested itself on the various levels of both content and style from word choice, to expression, Grammar, morphology, and rhetoric was a source of perplexity and amazement to those who heard the divine revelation. Therefore, in view of its word's power,

CC BY

this article is being written on the topic of eloquence and rhetoric of divine addresses.

**Keywords:** Quran, Divine Addresses, Eloquence Rhetoric, Miracle

## تمہید

قرآن کریم اللہ تعالی کا انسانیت کے نام ایک ابدی پیغام اور خطاب ہے۔ یہ خطاب لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ یہ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ وہی عرب جو بد اخلاقی، باطل پرستی، بدکاری اور ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ خالص توحید سے ناآشنا ہر قسم کی اخلاقی پستی کا شکار ہو چکے تھے۔ خطابات الٰہی سے ان کے نفوس شرک کی نجاست سے پاک ہوئے، توحید خالص سے آشنائی ہوئی، باہمی نفرت کی جگہ محبت اور ہمدردی نے لے لی۔ تقوی اور پاکیزگی کو اختیار کیا جانے لگا ، علم سے آشنائی کا جذبہ بڑھا۔ ان تعلیمات کے پہنچے سے علم و تہذیب کی بنیاد پڑی۔ ان سطور میں خطبات الٰہیہ کے فصاحتی بلاغتی پہلوؤں کا تحقیقی مطالعہ پیش کرنا مقصود ہے۔

## خطباتِ الٰہیہ کے بلاغتی پہلو

خطاب فعال کے وزن پر مصدر ہے جواب مفاعلہ سے ہے اس کا مفہوم ہے باہم گفتگو کرنا یا کلام کرنا۔[1] ابن فارس بن زکریا رازی خطاب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔والخطاب : كل كلام بينك و بين آخر والخطبة من ذالک خطاب ہر اس کلام کو کہتے ہیں، جو آپ اور کسی دوسرے کے درمیان ہو۔ خطبہ کا لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔[2] خطبۃ ثلاثی مجرد خطب سے مصدر ہے خطبہ کا لفظی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ خلیل ابن حمد الفراھیدی لکھتے ہیں :والخطبة مصدر الخطيب و جمع الخطيب خطباء یعنی خطبہ خطیب کا مصدر ہے اور خطیب کی جمع خطباء آتی ہے۔[3] امام راغب اصفہانی خطاب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: الخطا به فی اللغة کا الخطاب توجيه الكلام لنحو الخير للافهام الا متناع الممكن فی ای موضوع يراد ۔ خطابہ لغت میں خطاب کی طرح مصدر ہے یعنی سمجھانے کی غرض سے کسی سے گفتگو کرنا۔ اور حکماء کی اصطلاح میں خطبہ ان اصول و ضوابط کا مجموعہ کہلاتا ہے جن کے ذریعے سے متکلم جس موضوع میں بھی چاہے مخاطب کو ممکنہ حد تک مطمئن کر سکے۔[4] قرآن کریم میں کبھی بحیثیت مجموعی تمام لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے تو کبھی خاص لوگ مراد ہیں یہ عام انسانوں کو خطاب زمانہ نزول قرآن سے مخصوص ہے یا اس سے تمام انسان مراد ہیں جس کے ساتھ کسی زمانہ کی تخصیص نہیں۔ قرآن کریم کے خطاب میں خاص و عام کی نوعیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

**عام:** قرآن کریم میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو عموم پر استدلال کرتے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

1- کل: جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: كُلُّ (ہر جان موت کو چکھنے والی ہے)[5] نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالی کا یہ فرمان (كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ) سب ایمان لائے اللہ تعالی پر اور اس کے فرشتوں پر۔[6]

2۔ اسم موصول الذی اور اس کے تمام صیغے (وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا) اور وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا: "اف ہے تم دونوں پر"۔[7] اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جس سے یہ قول صادر ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالی کا قول ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ (یہی وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی)۔[8]

3۔ جمع کا وہ صیغہ جو معرف بلام ہو جیسا کہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (یقینا مومن کامیاب ہو گئے)۔[9] اسی طرح جمع کا وہ صیغہ جو اضافت کی وجہ سے معرفہ بن جائے جیسا کہ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (اللہ تعالی تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتے ہیں)۔[10]

4۔ما : یہ غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بطور موصولہ اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ "جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ تعالی کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔"[11] بطور شرطیہ اس کی مثال رب العالمین کا یہ فرمان ہے: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (تم جو بھی بھلائی کا کام کروگے اللہ سبحان و تعالی اسے جان لیں گے)۔[12]

5۔من : یہ عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ موصولہ کے طور پر اس کی مثال یہ فرمان الہی ہے:وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُم (تم صرف اس کی بات مانو جو تمہارے دین کی پیروری کرتا ہے)۔[13] بطور شرطیہ اس کی مثال اللہ رب العزت کا یہ فرمان ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (توجو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا)۔[14]

6۔ ایسا لفظ جس میں الف لام داخل ہو اور وہ استغراق کے معنی میں ہو۔ اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالی ہے: وَ الْعَصْرِۙ(۱)اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍۙ(۲)اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (قسم ہے زمانے کی بلاشبہ انسان یقیناً خسارے میں ہے)۔[15] یہاں لفظ انسان تمام افراد کو شامل ہے۔

7۔اَینَ منہم : جگہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بطور شرطیہ اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالی ہے:اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ (تم جہاں بھی ہوگے، موت تمہیں پالے گی)۔[16]

8۔ اللہ رب العالمین کا یہ فرمان حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ (تم پر اپنی ماؤں سے نکاح حرام کر دیا گیا ہے)۔[17] بعض اوقات عام لفظ بول کر اس سے عام کے بعض افراد مراد لیے ہوتے ہیں یہ وہ عام ہوتا ہے جس سے کچھ خاص افراد مراد ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی کا یہ فرمان:وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْٓءٍ (اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے نفسوں کے ساتھ تین حیض تک انتظار کریں)۔[18] تو یہاں پر لفظ مطلقات عام ہے جس کی تخصیص اللہ رب العالمین کے اس فرمان کے ذریعے کی گئی ہے:وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (اور حیض والی (طلاق یافتہ) عورتوں کی عدت کی مدت ان کے وضع حمل تک)۔[19]

**خاص:** لغت میں خاص، تنہا اکیلے اور منفرد کو کہتے ہیں اور یہ عام کی ضد ہے۔[20] خاص میں کوئی اجمال نہیں ہوتا اور نہ ہی اشکال ہوتا ہے وہ بذات خود واضح اور ظاہر ہوتا ہے اور یہ صرف اپنی معنی کو بتاتا ہے جن کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ قسم توڑنے کے کفارے سے متعلق حکم ربانی ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ (توجو نہ قدرت رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے)۔[21] اس میں لفظ (ثلثہ) خاص ہے اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔[22] کبھی مخاطب عام ہوتے ہیں اور مراد ان سے خاص ہوتی ہے اور کبھی اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے اور چونکہ خطاب کے رخ کی تبدیلی اور اس کے عام یا خاص ہونے کی وجہ سے معنی میں تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔[23] مثلاً اللہ تعالی کا فرمان ہے: يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو تم طلاق دو انہیں ان کی عدت میں)۔[24] یہاں یہ نہیں کہا گیا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ (جب آپ اپنی عورتوں کو طلاق دیں تو آپ انہیں طلاق دیں۔" تو اس بات کی دلیل ہے کہ

وہ خطاب ساری امت کے لیے ہے۔[25] اور جہاں خطاب صرف آپ ﷺ کے لیے ہی ہوا اور امت شامل نہ ہو تو پھر اس کی تخصیص خود قرآن کریم میں آجاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے ان الفاظ میں تخصیص کی گئی ہے۔خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یہ خاص آپ ﷺ کے لیے ہے سوائے دوسرے مومنوں کے)۔[26] چنانچہ قرآن کریم کے خطاب کا عام اور خاص کے حوالے سے جائزہ لینے سے دو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ آیات کے باہمی ربط اور سیاق و سباق کے حوالے سے بھی کیا جائے کیونکہ امام فراہی کے نزدیک مخاطب میں التباس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض مرتبہ مخاطب بظاہر پیغمبر ہوتا ہے لیکن خطاب امت سے ہوتا ہے۔اس لیے اسی کو مخاطب کیا جاتا ہے۔[27] جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں مخاطب پیغمبر کو کیا گیا ہے لیکن خطاب امت کی طرف ہے مثلاً:اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا "اگر پہنچ جائیں تیرے پاس بڑھاپے کو ان میں ایک یا دونوں تو ان سے اف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے عزت سے بات کرو"۔[28] مولانا عبد الماجد دریا آبادی قرآن کریم کے خطاب کی عمومیت کے حوالے سے لکھتے ہیں: قرآن کریم کبھی کسی محدود و مخصوص زمانہ کی نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرح چودھویں صدی ہجری کے لیے مکمل ہدایت اور پیغام ہے خواہ ان کی تہذیب و تمدن کچھ بھی ہو اور دوسری طرف اسکے مخاطب اول براہ راست ایک مخصوص ملک عرب کی وہ قوم تھی جو اپنی مخصوص ذہنیت، ثقافت و معاشرت اور مخصوص فکر کے ساتھ تاریخ کے ایک متعین زمانہ ساتویں صدی عیسوی میں آباد تھی قرآن کی یہ دوکارنہ حیثیت یعنی ایک طرف عالمی و آفاقی اور دوسری طرف قومی و وطنی موجود ہی نہیں بلکہ برابر ساتھ چل رہی ہے۔ گو ظاہر ہے ترتیب زمانہ کے لحاظ سے دوسری حیثیت پہلی پر مقدم ہے۔[29]

**خطابات الٰہیہ میں فصاحت و بلاغت**

فصاحت عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ظاہر اور صاف ہونے کے ہیں عربی زبان میں کہتے ہیں "افصح امر" معاملہ واضح ہو گیا۔[30] اصطلاح میں فصاحت کا مفہوم ہے:عبارة عن الفاظ البينه الظاهر ة المتباردة الى الفهم ، والمانوسة الاستعمال بين اللكتاب و الشعرا و لمكان حسنها (واضح بین، اور ذہن میں فوراً سمجھ آجانے والے الفاظ سے عبارت ہے یہ ایسے الفاظ ہیں جو ادباء اور شعراء کے ہاں اپنی حسن و خوبی کی وجہ سے مانوس ہوتے ہیں)۔[31] علمائے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ الفاظ جو مانوس ہوں اور قواعد صرفی کے مطابق ہوں اور جو سننے میں شیریں، دل آویز اور لطیف ہوں، فصیح کہتے ہیں۔[32] بلاغت کے معنی پہنچنے کے ہیں کلام میں بلاغت سے مراد وہ کلام جو دل کو متاثر کر دے اور کانوں میں رس گھول دے اور جو بات موقع محل کے مناسب ہو گی اس میں بلاغت ہو گی۔[33] البلاغه فى الكام مطابقتة لما يقتفيه حال مع فصاحة الفاظه مفردها و مركبها (کسی بھی کلام میں بلاغت حال سے مطابقت رکھنے کا تقاضہ رکھتی ہے لہذا فصاحت الفاظ، مفرد مرکب ہر صورت میں ضروری ہے۔[34] نجم الغنی رامپوری لکھتے ہیں: فصاحت تو کلمہ و کلام دونوں پائی جاتی ہے مگر بلاغت صرف کلام سے مختص ہے یعنی کلمات کی ایسی ترتیب و ترکیب جو مناسب حال ہو اور موقع محل کے عین مطابق ہو اگر ایسا نہ ہو تو بلاغت نہ رہے گی۔ تعظیم کے موقع پر تعظیمی کلمات لائے جائیں تو وہ کلام بلیغ کہلائے گا اور ایسی جگہ رکیک الفاظ لانے سے کلام درجہ بلاغت سے گر جائے گا۔ بلیغ کلام وہ ہے جو فصیح ہو یعنی عیوب سے خالی ہو جہاں تفصیل کی ضرورت ہو وہاں اختصار نہ کیا جائے، جس جگہ اختصار چاہیے وہاں طوالت نہ ہو، غرض کے کلام مناسب موقع و مقام ہو۔[35]

علامہ جلال الدین السیوطی کہتے ہیں: قرآن کریم کی بلاغت اور اس میں موجود آئندہ احوال کی پیشن گوئیاں اور پھر اس کا ہر ایک معجزہ پر قیاس ہونا یہ باتیں اس کے اعجاز کے مثبت ہیں اور معمول کلام توڑنا اس بات کا نام ہے کہ نزول قرآن سے قبل کلام کی کئی انواع رائج تھیں۔ مثلاً شعر، سجع، خطبے، رسائل اور منثور کلام جس کے ذریعہ سے لوگ معمولی بات چیت کیا کرتے تھے جو روزمرہ کی بول چال ہے مگر قرآن نے ان سب طریقوں سے منفرد طریقہ پیش کیا جس کا درجہ حسن ہر ایک پر فائق ہے۔[36]

مورئیس بوکائلے لکھتا ہے: قرآن کی سب سے بڑی خوبی اس کی فصاحت و بلاغت ہے اس خوبی کی بناء پر قرآن کریم کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔[37]

**وجوہ اعجاز میں فصاحت بلاغت**

اہل عرب کو فصاحت و بلاغت کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے جنہوں نے اپنے کلام سے لوگوں کو ورطہ حیرت میں گم کر دیا تھا قرآن کی فصاحت و بلاغت کے سامنے انہوں نے اپنے تمام ہتھیار رکھ دیئے۔ قرآن کریم نے ان کے اسی عجز کو ان کے چیلنج بنا دیا اور انہیں بار بار چیلنج دیا کبھی کہا کہ اس کلام جیسی مثل بنا کیں خواہ اس میں سب انسانوں اور جنوں کو جمع کر لیں۔[38] کبھی کہا کہ اگر آپ ﷺ نے اسے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو تم بھی دس سورتیں اس جیسی بنالاؤ اور مدد کے لیے جیسے چاہو بلالو اگر تم سچے ہو۔[39] اور کبھی کہا کہ صرف ایک سورۃ ہی اس جیسی بناؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی مدد کے لیے بلا سکتے ہو بلالو اگر تم سچے ہو۔[40] قاضی عیاض کے نزدیک یہ ایسے فصیح و بلیغ کو چیلنج تھا جن کے بدو بھی فصیح اللسان تھے ان کے الفاظ مختصر اور زبردست ہوتے تھے ان کی بات صاف اور کلام محکم ہوتا تھا۔ اگر شیری ہوتا تو بلاغت کے نہایت اعلی درجے والے الفاظ بولتا، کم الفاظ میں بہت سے معنی پوشیدہ ہوتے، بلاغت کی تمام اقسام کو گھیرے ہوتے، اختصار اور طوالت دونوں طرح سے بات کرتے اور وہ نظم و نثر دونوں میں جس طرح سے چاہتے داخل ہوتے اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔[41] قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ کسی عربی نے ایک شخص کی زبان سے یہ آیت سنی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (پس آپ کھول کر سنا دیں اس چیز کو جس کا آپ حکم دیئے گئے ہیں اور آپ مشرکوں سے اعراض کریں)۔[42] یہ کلام سنتے ہی وہ سجدہ ریز ہو گیا اور کہا: سجدت لفصاحته (یعنی میں نے اس کی فصاحت کے آگے سر جھکا دیا)۔[43] عبد اللہ ابن مقفع عربی ادب کا بڑا فصیح و بلیغ ادیب تھا، اس کے قرآن کریم کے چیلنج کے مقابلہ میں اپنی ادبی کاوش کرنے کا سوچا اور ایک مدت تک قرآن کے چیلنج میں لگا دیا اور جب اس آیت پر پہنچا: وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (فرمادیا گیا اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی نامی پہاڑی پر جا لگی اور فرمادیا گیا ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو)۔[44] تو اس نے کہا: هذا مالا يستطيع البشارن يا تو المثله و ترک المعارضه (یہ بشر کی استطاعت نہیں کہ وہ اس جیسی مثل لائے اور اس نے معارضہ ترک کر دیا)۔[45] قرآن کریم کے معارضہ کے اس طرح کے اور بھی واقعات بیان ہوئے ہیں طوالت کے پیش نظر بیان کرنا مشکل ہے۔ لہذا یہ ایک معجزہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی نہ بنا سکے۔ قاضی ابو بکر الباقلانی نے قرآن کے اعجاز کی تین بڑی جامع وجوہات بیان کی ہیں آپ لکھتے ہیں: احدها: يتضمن الاخبار عن الغيوب و ذلک ممالايقدر عليه البشر لا سبيل لهم اليه ۔والوجه الثانی : انه کا ن معلوماً من حال النبی ﷺ انه کا ن امياً لا يكتب ولا يحسن ان يقراء ۔وكذلک كان معروفاً من حاله انه لم يكن يعرف شياً من

كتب المتقدمين واقاصيصهم واءنبائهم و سيرهم ثم اتى بجملة ماوقع و حدث من عظيمات الامور و مهمات السير من حين خلق الله ادم (عليه السلام ) الى حين مبعثه والوجه الثالث ! انه بديع النظم عجيب التاليف متناه فى البلاغة الى الحد الذى يعلم عجز الخلق عنه ۔[46] اول: غیب کی خبریں اور یہ کسی بشر کی قدرت میں نہیں کیونکہ ان کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ثانی: سب کو معلوم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلی کتابوں کا کچھ علم تھا اور نہ ہی ان کے قصص، اخبار اور سیر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ معلومات تھیں۔ ان تمام حقائق کے باوجود آپ نے تخلیق آدمؑ سے لیکر آپ کے معبوث ہونے تک تمام اہم حوادث و واقعات کی خبر دی۔ ثالث: قرآن اپنے نظم اور تالیف میں منفرد ہے۔ بلاغت کی بلندیوں کو چھو رہا ہے مخلوق ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ امام بدر الدین زرکشی اعجاز قرآن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہر طرح سے اور ہر مقام میں یکساں طور پر فصاحت و بلاغت برقرار ہے، کہیں بھی اس کا سلسلہ ٹوٹتا نظر نہیں آتا اور یہ بات کسی بشر کی قدرت نہیں۔[47]

### قرآنی مثالیں

☆ الفاظ کی بلاغت: قاضی ثناء اللہ درج ذیل آیات میں "قَابَ قَوْسَيْنِ" کی بلاغتی خوبیوں کو آشکار کرتے ہیں: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا، یہاں تک کہ وہ دونوں کمانوں کے فاصلے کے برابر آگیا بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک)۔[48] دونوں جگہ مضاف مخذوف ہے یعنی مقدار قرب دو قوسوں کے قرب کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تر، یہ عربوں کا رواج تھا کہ جب دو شخص آپس میں دوستی کا معاہدہ کرتے تھے تو ہر ایک اپنی کمان لاتا اور دوسرے کی کمان کے ساتھ چمٹا کر رکھ دیتا۔ اس سے یہ ظاہر ہو تا کہ ہم ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں یہاں اس سے مراد باری تعالیٰ کے قرب کا مرتبہ ہے جس کا ادراک ایک عارف ہی کر سکتا ہے۔

☆ الم تر کی ترکیب: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا)۔[49] یہ ترکیب قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آئی اس میں روئیت سے مراد روئیت عینی نہیں بلکہ روئیت عمل مراد ہے۔

☆ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (ہر گز ایسا نہیں ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے)۔[50] یتیموں کے لیے یہاں "اکرام" لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب صرف یہ نہیں ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں مال دار لوگ ان کی کچھ مدد کر دیا کریں، بلکہ اصل مطلوب یہ ہے کہ سوسائٹی میں ان کو عزت کا مقام حاصل ہو۔[51]

### ☆ تین آیات ایک جملہ، خوبصورت ترکیب

اَ لْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جو سب پر مہربان بہت مہربان ہے۔ جو روز جزا کا مالک ہے)۔[52] یہ تین آیات ملکر ایک جملہ بنتی ہیں گرائمر کے اعتبار سے بھی یہ بڑی خوبصورت تقسیم ہے۔ پہلی تین آیات جو ملکر ایک جملہ بنتی ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے۔ الحمد مبتدا، اللہ خبر، کل تعریف اللہ کے لیے ہے۔ اس کے بعد آنے والے کلمات، رب العامین، الرحمٰن، الرحیم اور ملک یوم الدین اللہ کا بدل ہونے کے باعث مجرور ہیں یہ گویا ایک جملہ چلا آرہا ہے۔ کل حمد، کل ثناءِ کل شکر اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ملک، مختار، آقا، پروردگار، رحمٰن اور رحیم ہے۔[53]

### ☆ قرآن میں ضمائر کا استعمال اور اس کی بلاغت

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو)۔[54] یہاں ظاہر کے اعتبار سے "ولا ينفقو نها " چاہیے تھا۔ ضمیر واحد نے زور پیدا کر دیا اور معنی میں بھی کوئی خلل پیدا ہوا۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (اور اے پیغمبر جب میرے مندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپؐ ان سے کہی دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں)۔[55] اس آیت میں ضمیر متکلم، صیغہ واحد کی صورت میں چھ بار آئی ہے۔ ضمیر جمع متکلم جس طرح قدرت، عظمت و قوت، اقتدار و حکومت پر دلالت کرتی ہے اسی طرح التفات، اختصاص، اور یگانگت کے لیے مخصوص ہے۔[56] امام رازی کے نزدیک قرآن کا انداز بیان اور فصاحت و بلاغت ہر میدان بے مثل، چاہے وہ وعظ و نصیحت، عقائد، احکام، ترغیب و ترتیب، امثال و قصص اور وعدہ و وعید کا ہو ہر جگہ فصاحت و بلاغت کا یکساں اور اعلی معیار برقرار رہا ہے۔[57] اس کے بعد آپ قرآن مجید سے اس کی چند امثلہ اس حوالے سے بیان کرتے ہیں جیسے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے)۔[58] کسی عمدگی سے رغبت دلانے کے لیے فصیح و بلیغ الفاظ کا استعمال ہوئے ہیں۔ مزید ایک اور آیت کی فصاحت و بلاغت کو محسوس کریں۔ ارشاد باری تعالی ہے: وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ (اور اس جنت میں ہو گا جو وہ چاہیں گے ان کے نفس)۔[59] مفہوم کی جامعیت اور بلاغت پر غور کریں کہ مخاطب کو کس قدر خوبصورتی سے انتہائی مختصر انداز میں جنت کی لامحدود نعمتوں کا احساس دلایا ہے اسی طرح ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے: اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ (کیا تم نے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ وہ دھنسادے تمہیں خشکی ایک جانب)۔[60] وعظ و نصیحت کے بیان میں اَفَرَاَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِيْنَ (کیا پس آپ نے دیکھا اگر ہم فائدہ دیں انہیں کئی سال)۔[61] الغرض قرآن کریم کا ہر لفظ جملہ اور عبارت فصاحت و بلاغت کا اظہار ہیں۔ انداز بیان ایسا ہے کہ ہر علم و فکر کے انسان کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے یہ قوانین کو بھی ہدایت اور نصیحت کے انداز میں ایسے پیش کرتا ہے کہ اس کے احکام پر عمل درآمد آسان ہو جائے۔

**خلاصہ بحث**

حاصل کلام یہ ہے کہ عام گفتگو کے برعکس خطابت ایک فن ہے جس میں بہترین انداز، عام فہم الفاظ، متاخر کن لب و لہجہ، مخاطبین کی نفسیات کا مد نظر رکھتے ہوئے ان کو حکم دینا، انذار و تبشیر کے ذریعے ان کو جھنجھوڑنا، وغیرہ ہے۔ خطابت ہر دور میں رہی ہے ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا مدعا اور مقصود بہترین انداز میں بیان کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ بہترین انداز اور نئے نئے اسلوب اختیار کرتا ہے تاکہ بات دوسروں تک عمدگی کے ساتھ پہنچ جائے اور ان کے دلوں پر اثر کرے اور ان کی سوچ و فکر کے رخ کو بدل دے۔ قرآن کریم کا خطاب اس کا اسلوب بیان اور احکام ایسے ہیں کہ خطاب جن سے ہوتا ہے چاہے وہ سب انسانوں سے ہو اہل ایمان سے ہو یا یہود و نصاری اور کفار و مشرکین اور منافقین وغیرہ سے، جنہیں مخاطب کیا گیا ہے وہ سب اس خطاب میں شامل ہوتے ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے یا قیامت تک آنے والے ہیں، بعد میں آنے والے مخاطبین کو موجودہ مخاطبین کے فاتح مقام رکھ کر تمام کو خطاب فرمایا کیونکہ قرآن کریم کے احکام اور خطابات قیامت تک کے لوگوں کو

شامل ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کی نمایاں ترین خوبی اسکا ہر اعتبار سے معجزہ ہونا ہے یعنی اپنے بہترین الفاظ اور کلمات کے چناؤ فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہیں۔

## References


1 Ibn-e- Manzūr al -Afríqi, Lisān al - Arab, Múhammad bĭn Mukaram, Lisăn al-Arab, ( Beĭrut, Dār Sadir, 1414 AH), 1:36.

2 Ibn-e- fāra's, Majmal Allúghat,(Bāirút,Darul Múarif , 1997),2171.

3 Al-frāahĭdi,Abi Abdúllah, Khālil bin Ahmad ,Kĭtab ul Aīn,(Baīrút, Dāre Ahya Altúras Alarābi,2001),P:2256.

4 Māhfoòz,Múhammad,Fún- úl- Khātabā wā Aadad úl khītab,(Misār, Maktāba Alwāqfīya,2004),113.

5 Al-Anbyā, 21:35.

6 Al-Baqarah,2:285

7 Al-Ahqāaf ,46:117.

8 Al-Ahqāaf,46:18.

9 Al- Moomīnun, 23:1.

10 Al-Nīsa;4:12.

11 Al-Nāhl, 16:96

12 Al-Bāqarah, 2:197

13 Ali' Imrān, 3:73

14 Al-Zalzālah, 99:7

15 Al- Asār,103:1 __2

16 Al-Nīsā, 4:78

17 Al-Nīsa, 4:23.

18 Al-Bāqarah, 2:228.

19 Al-Talāq, 65:4.

20 Kitāb-al-Aīn, 2:153.

21 Al-Māidah, 5:89.

22 Zaīdan, Abdūl Karīm, Alwajeēz fi Asòol-al-Fīq,(Lahòre,Māktbah Rāhmaīia ,2010),P:223.

23 Al-Fārahi, Hamēed-ūl-Deen, Tāfseer Nizām-ūl- Qúr'an,Amēen Ahsān Islaīi Mútarajúm,(Lahore, Māktabā Qūdoòsia, 2014),P:74.

24 Al -Tālaāq , 65:1.

25Ibn-ē- Hazām, Alī bin Ahmād Saeēd,Al-Ahkaām Fī Asoòl-ul-Ahkāam,(Lāhore,Dāra-ul-Afāaq Al-jadēedah, 1938),468 .

26 Al-Ahzāb, 33:50.

27 Tafseēr Nīzaām-úl-Qura'n,78.

28 Bāni Israēl, 17:23.

29 Daryā Abādi,Abdúl Mājid,Tafseēr Mājdi,(Karāāchi,Majlīs Nāshrīat Qur'an ,1991),1:11.

30 Bilyawī, Abdúl Hafiz, Mīsbha-ul-Lúghat,(Lahòre, Maktāba Qudòòsia, 2006),265.

31 Al-Azhāri, Ahmād Bin Ibrahīm Alhāshmi, Jawaīir-ul- Balāgha, (Bāirut,Dāar-ul- afaāq Aljadīdah, 1978),19/1.

32 Shībli Naumāni, Mòāzna Anēēs O Dabeer,(Lākhnòw, Anwār-ul-Mutābā , 2010),29.

33 Ahāmd, Zúlfiqar, Qur'an Mājeed k Adbī Asrar-o-Ramòòz,(Lahore Zābdah Públicătiòns, 1998),P:88.

34 Jāwahīr-ul-Bālaghā, 1:81.

35 Rampòori,Nājm-ul-Ghāni, Bahr-ul-Fāsahat,(Lahore, Majlis Taraqi Adab, 2003),3:10.

36 Súyuti, Jālalúddin, Al-Itqān Fi Uloòm al-Qúran,(Karāchi, Māktabāh Al-ēlm,2010),2:210.

37 Bòqaīlay, Mòrris, Bīble Qur'an aúr Scīēnce,(Kārachi,Waqaas Públicatīons, 2010),210.

38 Bāni Isrāēl, 17:88.

39 Húd, 11:33.

40 Al-Bāqarāh, 2:23.

41 Ayzā, Qāzi, Al-Shīfa,(Bāīirut,Dar-ul-Hādis, 2010,)167.

42 Al- Hījr, 15:94.

43 Al- Shīfā,169.

44 Húd, 11:44.

45 Al-Rāfe'ie, Mòstafā Sāadĭq , Aijāz-ul-Qur'an(Bairút,,Dare Ahyā Al- Túras Al- Arābi ,2008),137.

46 Albāqlanī,Abi Bakar,Aijāz-ul-Qur'an,(Misār,Dar-ul-Múarif , 2005),69.

47 Zarkāshi, Bādr-ul-Din, Albúrhan Fi Alòòm-ul-Qur'an,(Bairút, Dar-ul-Hādis, 2003),388.

48 Al- Nājam, 53:8__9.

49 Al-Fajār, 89:6 .

50 Ibīd, 89:17.

51 Islāhi,Amīn Ahsan,Tadābu'r ul Qur'an,(Lahòre,Farān Fòundātion ,2007), 9:358.

52 Al-fātihā1:1__3.

53 Israr, Ahmad,Biyan-ul-Qur'an,(Pishawar,Anjuman Khudam Al'Qur'an, 2015), 1:109.

54 Al- tāwbāh, 9:34.

55 Al-bāqrāh, 2:186.

56 Daryā Abādi,Abdúl Majīd, Qur'an beēswi Sadī Māin,(Lahòre Sērvicēs Bòok Clúb ,1990),42.

57 Al-Rāzi,Abú Bakār Múhammād Bīn Zakarīya, Al-tafsēer Al-taseer Al-kābir,(Misār, Dar-ul-Múarif Misār,1998), 2:107.

58 Al sājdāh,32:17.

59 Al- Zukhrúf,43:71.

60 Bāni Irsaēl, 17:68.

61 Ash- Shúra, 26:205.